

New Book Department
BOOKS & MAGAZINES BY DEALERS
AT THE BAZAAR SHORE

الوہی مجلس



ایم عنایت

SHYAM RANGH

بچوں کے لئے دلچسپ کہانیوں کا باتھویر سلسلہ

انوکھی مجلس

ایم عیتنا

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون
۳	انوکھی مجلس
۱۱	دُنیا کے پچھلے سالانہ جلسہ
قیمت ۴	
۱۹۲۹ء	

ٹکٹ سسٹم

پیارے بچو!

آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ ہم نے اپنی کتابیں نہایت کم قیمت یعنی صرف ایک آنہ فی کتاب فروخت کرنے کے لئے ایک نیا طریقہ جاری کیا ہے۔ جس کا نام ٹکٹ سسٹم ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آپ بارہ آنے کے ٹکٹ بھیج کر ٹکٹ سسٹم کی ایک کاپی منگا لیجئے۔ اس میں چار ٹکٹ ہیں۔ ان کو پانچ ۱۲ فی ٹکٹ کے حساب سے اپنے دوستوں میں فروخت کیجئے اس طرح آپ کو تین روپے وصول ہوں گے۔ یہ روپے اور چھ آنے محصول ڈاک آپ ہمیں بھیج دیجئے ہم آپ کو نہایت خوبصورت دلچسپ اور بالتصویر بارہ کتابیں اور ان کے ساتھ ٹکٹ سسٹم کی چار کاپیاں ارسال کر دیں گے۔ کتابیں آپ خود رکھ لیجئے۔ اور کاپیاں ان دوستوں کو دیجئے۔ جنہوں نے آپ سے ٹکٹ خریدے۔ وہ اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کر کے اسی طرح کتابیں منگا سکتے ہیں۔ اس طریقہ پر ہر بچہ کو بارہ آنے میں بارہ کتابیں ملتی رہیں گی اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اتو کھی مجلس

آبا جان کام تو کپڑے کا کرتے تھے۔ مگر سیاست میں بھی
بہت دلچسپی لیتے تھے۔ میں ان دنوں نو میں جماعت میں تھا
سکول کے کام سے فارغ ہو کر اکثر دوکان پر چلا جاتا۔ اور
نقد مال کی رسیدیں کاٹنے میں آبا جی کا ہاتھ بٹاتا۔ ایک روز
شام کو جب میں نے دوکان میں قدم رکھا تو بہت سے
بڑے بڑے اشتہار میز پر پڑے پائے۔ ان کا مضمون یہ تھا
آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ
بنارس ۵ مارچ ۱۹۵۷ء کو لاہور میں ہو رہا ہے
اس موقع پر ملک کے بہترین مقرر اور شعراء
واعضوین کو اپنے کلام سے محظوظ فرمایا جائے گا

اس کے بعد ان تمام لوگوں کی فہرست تھی۔ جو اس جلسہ میں
تقریریں کرنے یا نظمیں پڑھنے میں حصہ لے رہے تھے۔
اسے دیکھ کر میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور میں دل
ہی دل میں اس پر غور کرنے لگا۔

”کیا سوچ رہے ہو؟“ اباجی نے مجھے خاموش دیکھ کر
پوچھا۔ میں اپنے محلے میں بچوں کی ایک مجلس قائم کرنا چاہتا
ہوں۔ میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ان کے
ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ ”انہوں نے میری پیچھے ہٹ چکی اور
بولے ”ضرور۔ اس قسم کے شوق بچپن ہی سے پیدا ہونے چاہیے
اتنا کہ کروہ اپنے کام میں لگ گئے۔ اور میں کپڑے کے
تھان پیسے لگا۔

اگلے روز میں نے یہ ذکر اپنے چند دوستوں سے کیا۔ وہ
بہت خوش ہوئے اور بولے اس سے اچھی بات اور کیا ہو
سکتی ہے۔ اس مجلس کی وجہ سے ہم میں اتفاق اور محبت
بڑھے گی اور ہم مل جل کر اچھے کام کر سکیں گے۔

چند ہی روز میں بین سچوں کی ایک مجلس قائم ہو گئی اور ہم نے اس کا نام الوکھی مجلس رکھا۔ اب اس کے ماہر جلسے ہونے لگے۔ اور ممبروں کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ سال کے آخر میں سو ہو گئی۔ یہ ایک اچھی خاصی تعداد تھی۔ ہم نے کوشش کی کہ یہ اس سے بھی بڑھ جائے۔ چنانچہ ایک اشتہار لکھ کر تمام سکولوں کے تئذیہ اطلاع پر لگوا دیا اور یہ اعلان کیا کہ ہم اس مجلس کا سالانہ جلسہ بہار کی چھٹیوں میں کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلا۔ اور دو سو نوپے ہماری مجلس میں اور شریک ہو گئے۔ سالانہ جلسے میں لڑکوں نے اچھے اچھے مضمون پڑھے، نظمیں سنائیں اور نئی نئی معلومات کا حال بیاں کیا۔ ساتھ ہی ہم نے کھیلوں اور دوڑوں کا مقابلہ کر لیا اور اول، دوم و سوم آنے والوں کو انعامات دیئے۔

اب کیا تھا تمام شہر میں چرچا ہو گیا اور دُور دُور سے لڑکے ہماری مجلس میں حصہ لینے کے لئے آنے لگے۔ چنانچہ اگلے سال جب جلسہ ہوا تو تقریباً ایک ہزار لڑکے اس میں

شریک ہونے اور وہ چیل چیل لڑی کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔

جلسے کی شاندار کامیابی دیکھ کر مجھے ایک نئی بات سوچھی وہ یہ کہ اگلے سال مونیہ کے دوسرے بچوں کو بھی اس جلسہ میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے۔ وہ اپنے قومی اور ملکی لباس میں آئیں۔ اور یہیں اپنے ملک کے بچوں سے متعلق حالات سنائیں۔ لیکن اس کی صورت کیا ہو۔ میں نے اپنے دل میں سوچا۔ اُن بچوں کو اطلاع کیوں کر دی جائے۔ اور انہیں یہ کس طرح بتایا جائے کہ ہم نے اپنے شہر میں بچوں کی ایک بہت بڑی مجلس قائم کر لی ہے۔ اور اس میں نہ صرف اپنے شہر کے بلکہ دوسرے شہروں کے بچے بھی شامل ہیں۔ کئی روز تک سوچتا رہا مگر کوئی ترکیب نہ سوچھی۔ بہت سے دوستوں سے بھی فوکر کیا۔ مگر کسی نے کوئی راستہ نہ بتایا۔ اتفاق کی بات ایک شام آبا جی نے اپنے ایک دوست کو جو امریکہ سے آئے تھے چائے کی دعوت دی۔ شام کو جب

وہ آئے تو میں نے اُن سے اپنی مجلس کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ میں دوسرے ملکوں کے بچوں سے بھی میل ملاپ قائم کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس کی کوئی ترکیب نہیں سوچ سکتی۔

”یہ کونسی مشکل بات ہے“ انہوں نے پیالی اٹھاتے

ہوئے کہا۔ آپ ہر ملک میں اپنا ایک قلمی دوست بنا سکتے

ہیں۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ پن فرینڈز ایسوسی ایشن

نیویارک کے ممبر بن جائیے۔ اس کی معمولی سی فیس ہے۔

وہ آپ کو ہر ملک کے بہت سے بچوں کے پتے بھیجیں گے

آپ اُن سے خط و کتابت کیجئے۔ اپنی دلچسپیوں کا حال لکھئے

اور دوست بنا لیجئے۔

یہ سن کر میرا دل خوشی کے مارے بلیوں اُچھلنے لگا۔ میں

نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ اور چائے ختم ہوتے ہی اپنے کمرے

میں پہنچا اور کاغذ قلم لے کر خط لکھنے بیٹھ گیا۔ چند دنوں کے

بعد اُن کا جواب آیا۔ جس میں اُن کی شرطوں اور چندہ وغیرہ

کا ذکر تھا۔ میں نے ان کا فارم بھرا اور اُسی روز چندہ بھیج دیا

انتظار خواہ کسی بات کا کیوں نہ ہو سخت تکلیف دیتا ہے
 مجھے یاد ہے کہ چندہ منی آرڈر کرنے کے بعد سات آٹھ دن
 میں نے کس بے چینی سے گزارے۔ دن میں کتنی کتنی بار
 لیٹر بکس کو دیکھا۔ آخر ان کا لفافہ آیا اور میں خوشی سے پھولا
 سمایا۔ اگلے روز ہی اپنی مجلس کا چھپا ہوا پیڈ اٹھا کر عرب
 مصر، ترکی، روس، ہندوستان، انگلستان اور امریکہ کے
 لڑکوں کو خط لکھ ڈالے۔ یہ تمام خط میں نے انگریزی میں لکھے
 اور ٹائپ کر کے بھیجے کیونکہ آج کی کے امریکن دوست نے
 بتایا تھا۔ کہ اس وقت دنیا میں انگریزی ہی ایک ایسی زبان
 ہے۔ جو تمام جگہ سمجھی جاسکتی ہے۔ خط لکھنے کے پورے
 پندرہ دن بعد مجھے کئی لفافے ہوائی ڈاک سے آئے۔ اور
 ان سب لڑکوں نے مجھے اپنا فلمی دوست بنانا منظور کر لیا
 اور یہ بھی لکھا کہ میں انہیں اپنا فولو بھیجوں اور اپنی مجلس کے
 حالات بھی لکھوں۔ خط و کتابت جاری رہی اور وہ سب
 میرے گھر سے دوست بن گئے۔ میں نے انہیں بھی بچوں کی

مجلسیں قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ
 بہت جلد یہ کام شروع کر دیں گے۔ اُن کے خطوط برابر آتے
 رہے۔ اور میں بھی لکھتا رہا۔ وہ اپنے جلسوں کے حالات
 مجھے لکھتے اور میں انہیں۔ یہ حالات میں اپنی مجلس میں پڑھ
 کر سنا تا اور اس طرح لوگوں کی معلومات خوب بڑھتی جوتے
 ہوتے سالانہ جلسہ کا موقعہ آپہنچا۔ ہماری مجلس نے فیصلہ کیا
 کہ باہر کے ملکوں میں بھی دعوت نامے بھیجے جائیں اور ان کے
 یہاں بکھرنے اور رہنے کا خرچ ہماری مجلس برداشت کرے
 ایک آنہ ماہوار چندے کی بدولت ہماری مجلس کے خزانے
 میں اس وقت کئی سو روپے کی رقم جمع تھی چنانچہ ہمیں
 اس بات کی فکر تو نہ تھی کہ یہ خرچ ہم کیوں کراٹھائیں گے۔ البتہ
 یہ خیال ضرور تھا کہ ممکن ہے اتنی دُور سے آنا وہ پسند نہ کریں
 تاہم ہم نے ایک ایک چٹھی اُن تمام دوستوں کے نام بھیج دی اور
 انہیں یہ لکھ دیا کہ اگر آپ خود نہ آ سکیں تو اپنے میں سے کسی اور
 کو چُن کر بھیج دیں۔ ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب چند

روز کے بعد ان دوستوں نے ہمیں لکھ بھیجا کہ اپنی مجلس کی طرف سے وہ کسی نہ کسی کو ضرور بھیج دیں گے۔ یہ خبر آتے ہی ہم نے انتظامیہ کمیٹی کا ایک جلسہ بلایا اور انہیں حالات کی اطلاع دی اس کے بعد ہم سب سالانہ جلسہ کو زیادہ سے زیادہ بارونق بنانے کا کام بہت جوش سے کرنے لگے۔

فرصت کے وقت

فہرست ایک آئندہ لائبریری

کی کتابیں پڑھئے

فہرست مفت منگائیے

دُنیا کے بچوں

کا

سالانہ جلسہ

یکم مئی سے پہلے تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ ہمارے میہمان بھی آ پہنچے۔ ان کی خاطر تواضع کے لئے ایسے رط کے مقرر کئے گئے جو ان کی زبان سے کسی قدر واقف تھے۔ بولٹ کے روس اور جاپان سے آئے وہ انگریزی اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔ اس لئے ہمیں ان کی بات چیت سمجھنے اور اپنا مطلب سمجھانے میں کوئی وقت نہ ہوا۔ طے یہ پایا کہ جلسے کی کارروائی اردو زبان میں ہو اور اس کا چھپا ہوا انگریزی ترجمہ میٹاڈل کو ذمے دیا جائے۔ تاکہ وہ بھی اس سے لطف اٹھا سکیں اور یہ جان سکیں کہ جلسہ میں کیا ہو رہا ہے۔ یکم مئی کو جلسہ میں بے شمار رطکوں لڑکیوں اور بچوں نے حصہ لیا۔ جو ان لڑکیوں کے لئے پردہ کا انتظام کیا گیا۔ اور وہ علیحدہ بیٹھیں

اس جلسہ کی صدارت بیگم رشید علی خاں وزیر تعلیم نے منظور فرمائی تھی
 چنانچہ وہ ٹھیک وقت پر نثریف لے آئیں اور جلسہ کی کارروائی
 تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوئی۔ اس کے بعد مین منٹھے
 بچوں نے نہایت پیارمی آواز سے ایک نعت سنائی۔ پھر
 میں نے ۸۸ کے سالانہ جلسہ کا حال پڑھا۔ پہلی تقریر مسٹر
 کے چاؤ کی تھی۔ یہ ایک جاپانی طالب علم تھے۔ انہوں نے
 ایک کھلا پا جامہ اور ہلکے زرد رنگ کا قمیض پہنا ہوا تھا۔ پاؤں
 میں کھڑاؤں تھے۔ اور مشین سے منڈا ہوا تھا۔ وہ سٹیج پر آتے
 ہی جھکے اور لمبی سانس لی۔ یہ ان کا سلام تھا۔ اس کے بعد
 تقریریوں شروع ہوئی۔ ہمارے ملک کے بچے شروع ہی
 سے ماں باپ اور بڑوں کی عزت کرنا سیکھتے ہیں۔ چھوٹی عمر
 میں انہیں بھول وار کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ بڑے بچے ہر کراٹکیاں
 تو وہی لباس رکھتی ہیں۔ لیکن لڑکوں کا لباس تبدیل ہو جاتا ہے
 مگر بچوں سے ہمیں عمر بھر محبت رہتی ہے۔ بچپن ہی سے ہمیں
 محنتی اور دھوکہ دہرو برداشت کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسی

لے آپ ہمارے ملک کے بچوں کو تکلیف اور درد کے باوجود
روتا ہوا نہ پائیں گے۔

گھر میں ہم سیلپیر اور باہر کھڑاؤں پہنتے ہیں۔ بعض بچے بوڑھے
بھی استعمال میں لاتے ہیں۔ تین اور پانچ سال کی عمر میں بچے
کو شکرہ ادا کرنے کے لئے مندر میں لے جاتے ہیں۔ ہمیں
م شروع سے یہ سکھایا جاتا ہے کہ ہم اپنے وطن کی خاطر جان قربان
کرنے میں کبھی پیچھے نہ ہٹیں۔ بوڑھوں کے سامنے قہر مار کر
نہ ہنسیں اور ہر وقت اپنے آپ پر قابو رکھیں۔

ہمارا صبح کا ناشتہ چاول اور چائے ہے۔ چاول ہم تیلیوں
سے کھاتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ چائے پیتے رہتے ہیں۔ چائے
پیش کرنے اور بنانے کے بہت سے آداب ہیں۔ جو ہمیں سیکھنے
پڑتے ہیں۔ ہم اپنے ملازموں سے نہایت تمیز سے بات چیت
کرتے ہیں اور انہیں کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتے جس سے
ان کا دل ٹوٹے۔ دوپہر کے کھانے میں عام طور پر مچھلی چاول یا
بسنری اور چاول ہوتے ہیں۔ شام کا کھانا بھی اسی قسم کا یا

اس سے ذرا مختلف ہوتا ہے۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر ہم کاغذ کی قندیل کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور گھر کا سب سے بڑا آدمی کہانی سناتا ہے۔ جب کہانی ختم ہو جاتی ہے تو ہم گدی بنے کچھا کر لیٹ جاتے ہیں۔ ہمارے تکیے روئی کے نہیں بلکہ لکڑی کے ہوتے ہیں۔

ہمارے ملک میں میلوں کا بہت رواج ہے۔ ان میں سے دو بہت مشہور ہیں۔ تیسرے مہینے کے تیسرے دن لڑکیاں گڑیاں کا میلہ مناتی ہیں۔ تمام لڑکیاں پھول دار خوبصورت لباس پہنتی ہیں اور اپنی گڑیلوں کو بھی اچھے اچھے کپڑے پہنا کر الماریوں میں سجاتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنی سہیلیوں کو تحفے کے طور پر گڑیاں پیش کرتی ہیں۔

لڑکوں کا میلہ پانچویں مہینے کے پانچویں دن ہوتا ہے۔ ہر لڑکا اپنے گھر کے سامنے ایک اونچا بانس گاڑ کر اس پر چمکدار رنگین کاغذ کی بڑی مچھلی کھڑی کر دیتا ہے۔ مچھلی اندر سے کھوکھلی ہوتی ہے اور ہوا کے ساتھ گھومتی رہتی ہے۔ اس نشان سے

ہمارا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مچھلی بہاؤ کے خلاف چڑھتی اور
 ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کرتی ہے۔ اسی طرح ہمیں زندگی کے
 دکھوں اور مشکلوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیے۔ اس
 موقع پر نوکریاں بھی سمجھتی ہیں۔ لڑکے اپنی بہنوں کے لئے گڑیاں اور
 اپنے لئے جنگی جہاز، تلواریں، نیزے، کمائیں اور ملک کے
 جرنیلوں اور بزرگوں کے ثبوت خریدتے ہیں۔ ایک کھلے میدان
 میں بچوں کی فرضی جنگ بھی دکھائی جاتی ہے۔

ہم پتنگ اڑانے کے بہت شوقین ہیں۔ لیکن یہ کھیل ہم
 میدانوں میں کھیلتے ہیں۔ ہمارے پتنگ بہت بڑے اور
 رنگ دار ہوتے ہیں اور ان پر دیوتاؤں کی شکلیں اور ملکی جھاوڑوں
 کے نام لکھے ہوتے ہیں۔ بعض پتنگوں پر مختلف جانوروں کی
 صورتیں بھی بنا دی جاتی ہیں۔

پڑھنا ہر جا پانی پچھے کے ضروری ہے۔ ہمارے سکول صاف
 سنہرے اور سچے ہوئے ہوتے ہیں۔ بچوں کو رنگوں کے تصویروں
 بنانا اور چھوٹے جنگی متھیباروں سے کھیلنا سکھایا جاتا ہے۔ ہم

لوگ کھیل کو درمیں بھی کبھی جگہ انہیں کرتے۔ استاؤوں کا بہت
 ادب کرتے ہیں۔ اور نکلنے کے لئے قلم کے بدلے بوش
 استعمال کرتے ہیں۔ ہماری کتابیں بھی عمدہ چھپی ہوئی ہیں
 اور ان میں جگہ جگہ رنگ دار تصویریں لگی ہوئی ہوتی ہیں بچوں
 کو سزا بالکل نہیں دی جاتی بلکہ انہیں محبت اور پیار سے پڑھایا
 جاتا ہے۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ انہیں کوئی نہ کوئی ہنر بھی
 سکھایا جاتا ہے۔ تاکہ سکول سے فارغ ہو کر وہ اپنی روزی کما سکیں
 اتنا کچھ کہنے کے بعد مسٹر کے چاؤ نے اپنی تقریر ختم کر دی۔ لڑکوں
 اور بچوں نے خوب تالیاں بجائیں اور خاموش ہو گئے۔

پروگرام کے مطابق دوسری تقریر مسٹر ایلا سکی کی تھی۔ یہ روس
 سے آئے تھے۔ ان کا لباس انگریزی تھا۔ یعنی کوٹ اور تپلون
 پہنے تھے۔ قمیض کا کالر سفید تھا۔ اور اس پر پھول دار نکٹائی
 کی تھی جو خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ چہرہ چوڑا اور بھرا ہوا تھا
 نکھیں چمکدار اور بڑی بڑی۔ سر پر انگریزی بناوٹ کے بال
 تھے۔ گہرائی سے ہلکے کہ ناگہب نہ نکل سکتی تھی۔

انہوں نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے ہماری دعوت
 کا شکریہ ادا کیا۔ پھر بولے حضرات ہمارے ملک کی حکومت چونکہ
 دوسرے تمام ملکوں سے مختلف ہے۔ اس لئے وہاں بچوں کی
 تعلیم، ان کے کھیل کوڈ وغیرہ بھی نئے طریق پر ہیں۔ ہمارے ولین
 حکومت کی مرضی کے مطابق اور اپنی قابلیت کے موافق کام
 کرتے ہیں۔ انہیں ہماری پرورش تعلیم اور بیاہ شادی کی کچھ
 فکر نہیں ہوتی۔ پیدا ہوتے ہی بچوں کو نرسریز (وہ جگہیں جہاں
 ننھے بچوں کو پالا جاتا ہے) میں بھیج دیا جاتا ہے۔ یہاں ہر
 چند بچوں کے لئے ایک دایہ مقرر ہوتی ہے۔ وہ انہیں وقت
 پر دودھ پلاتی، نہلاتی اور کپڑے بدلتی ہے۔ جب بچے چار
 برس کے ہوتے ہیں۔ تو انہیں ننھے بچوں کے سکولوں میں بھیج
 دیا جاتا ہے۔ یہاں وہ کھیل کود کے ذریعے بہت سی محاورات
 حاصل کرتے ہیں۔ وہیں کھانے، پیتے کھیلتے اور سوتے ہیں
 ان بچوں کے پڑھنے کے کمرے بہت خوبصورت ہوتے ہیں
 اور انہیں ایسے کھلونے دیئے جاتے ہیں۔ جن میں ان کا جی

لگے۔ یہاں ان بچوں کو کھٹے بیٹھ کر کھانا مل کر کھینا اور کام کرنا سکھایا جاتا ہے۔ جب بچے اور بڑے ہو جاتے ہیں۔ تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ انہیں کس کس کام میں دلچسپی ہے۔ پس جس بچے کو جس کام کا شوق ہوتا ہے اسی میں اسے اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اس طرح یہ بچے ملک کے لئے اچھے شہری ثابت ہوتے ہیں۔

ہمارا ملک برفانی ہے۔ اس لئے ہمیں تمام سال گرم لباس پہننا پڑتا ہے۔ ننھے بچوں کو کھلے بازوؤں کے گرم قمیض پہنانے ہیں اور ان پر ادنیٰ دھاگے سے نہایت خوبصورت پھول بنے ہوتے ہیں۔ بچے سکولوں میں جہاں پڑھنا سیکھتے ہیں وہاں انہیں گانے اور ناچنے کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

برفانی علاقے میں کھلے میدانوں کے کھیل مثلاً فٹ بال ہاکی اور کرکٹ نہیں کھیلے جاسکتے۔ تاہم ایسی جگہوں میں جہاں ٹھنڈ کی وجہ سے پانی جم جاتا ہے۔ ہم سکیٹ پیں کر ہاکی کھیلتے ہیں یہ کھیل اچھا خاصا مشکل ہے۔ اور بغیر مشق کے نہیں کھیل سکتے

کتنوں کو جوت کر بغیر پہیوں کی گھاڑیاں چلانا اور سکیٹ کے ذریعے اونچی نیچی ٹھکانوں پر دوڑنا ہمارے لئے دلچسپ کھیل ہیں۔ گھاؤں کے بچے مچھلیاں پکڑنے اور پیچھے کئے بچوں کو قابو میں لانے کی مشق کرتے ہیں۔

یونین کے صدر کی پیدائش کے روز اور فصل کٹ جانے کے بعد جشن منائے جاتے ہیں۔ ملک میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ لوگ عمدہ لباس پہنتے ہیں۔ گھروں کو سجاتے اور ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے ہیں۔ ان جشنوں میں بچے بوڑھے جوان مرد اور عورتیں سب حصہ لیتے ہیں۔

یہاں پہنچ کر مسٹر ایلا سکی نے اپنی تقریر ختم کر دی اور پروگرام

روسی بچے بغیر پہیوں کی گھاڑی
چلا رہے ہیں



کے مطابق مسٹر جیمز سامنے آئے۔ یہ صاحب انگلستان کے طالب علم تھے۔ اور ان کا لباس انگریز بچوں جیسا تھا۔ سر ننگا بال بھورے۔ مانگ نکلی ہوئی۔ گلے میں کوٹ اور ٹائی۔ تانگوں میں نیکر اور جرابیں، پاؤں میں بوٹ۔ صاحب صدر کے قریب پہنچ کر وہ مائیکروفون کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہا۔ "جناب صدر، دوستو اور سہیلیو! ہماری کوئی بات آپ سے چھپی نہیں۔ کیونکہ ہماری قوم یہاں تقریباً تین سو برس حکومت کرنی رہی تاہم میں مختصر طور پر کچھ نہ کچھ بتاؤں گا۔ ہمارے ملک میں چھوٹی عمر سے ہی بچے کی صحت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس لئے جو لوگ اپنے گھروں میں بچوں کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے۔ وہ انہیں ہسپتالوں میں بھیج دیتے ہیں۔ جہاں وہ تین چار سال کی عمر تک رہتے ہیں۔ اس کے بعد انہیں کنڈرگارٹن سکولوں میں بھیج دیتے ہیں۔ جہاں وہ مختلف قسم کے کھیل کھیلتے ہیں۔ اور اسی طرح سے بہت سی باتیں سکھ جاتے ہیں۔ ہمارے سکول نہایت صاف ستھرے اور سچے

ہوئے ہوتے ہیں۔ کھڑکیوں میں پھولوں کے گلہان یا گملے رکھتے
 ہیں کتابوں میں بھی طرح طرح کی رنگ وارتصویریں ہوتی ہیں
 انہیں دیکھنے سے ہی سبق کی بہت سی باتیں سمجھ میں آ جاتی
 ہیں۔ چھوٹی جماعتوں میں گھر کے لئے کوئی کام نہیں دیا جاتا
 اور پہلی جماعت میں تو نیچے کاغذ قلم ووات وغیرہ کچھ نہیں لائے
 یہ سب چیزیں انہیں سکول سے ہی مل جاتی ہیں۔ جب لڑکا
 بڑی جماعت میں پہنچتا ہے۔ تو اسے گھر آ کر بھی کچھ نہ کچھ کام
 کرنا پڑتا ہے۔ سکول کی کتابوں کے علاوہ ہم گھر پر بچوں کے
 رسالے، اخبار اور قصے کہانیوں کی کتابیں بہت پڑھتے ہیں۔
 ہمیں بچپن سے وقت کی پابندی کرنا اور سچ بولنا سکھایا جاتا ہے
 سکولوں میں ہاکی، فٹ بال اور کرکٹ کھیلنے کا ہمیں کافی
 موقع دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم گھر پر بھی کھیلتے ہیں
 مگر یہ کھیل صرف تفریحی ہوتے ہیں۔ مثلاً لفظوں کا کھیل، پیننگ
 اڑانا۔ گولیاں کھیلنا۔ کیرم بورڈ۔ سانپ اور سیڑھی وغیرہ ان
 کے علاوہ ہمارے دلچسپ مشغلے اور بھی ہیں کسی کو فوٹو کھینچنے

کا شوق ہوتا ہے۔ کسی کو مختلف مکمل کے ٹکٹ یا سکے جمع کرنے کا۔ کوئی تیرنا سیکھتا ہے۔ اور کوئی مٹکا بازی۔ ہمارے گھروں میں ایک کمرہ صرف بچوں کے لئے ہوتا ہے یہاں ان کے کھلونے، گڑیاں اور دل بہلاوے کی اور بہت سی چیزیں جمع ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں کچھ تو وہ اپنے جیب خرچ سے خریدتے ہیں۔ اور کچھ انہیں تحفہ تحائف میں ملتی ہیں۔ ہر تہوار یا میلے کے موقع پر ہمارے گھر کے لوگ، عزیز اور رشتہ دار ہمیں



انگریز بچے کھلونوں سے کھیل رہے ہیں

عمدہ قسم کی کتابیں اور کھلونے تحفہ کے طور پر دیتے ہیں اور اس طرح سے ہرنچھتے کے پاس ایک لائبریری بن جاتی ہے اور بہت سے کھلونے جمع ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ملک میں یوں تو بہت سے تہوار اور جشن منائے جاتے ہیں۔ مگمان میں سب سے مشہور کرسمس اور موسم بہار کے تہوار ہیں۔ دسمبر کے مہینے میں جب ہر طرف برف پڑتی ہے اور سڑکیں، مکان اور درخت سب سفید نظر آتے ہیں۔

تو یہ تہوار منایا جاتا ہے۔ بچے اپنے گھروں میں کرسمس کا درخت بناتے ہیں۔ اس پر جگہ جگہ موسم بٹیاں لگائی جاتی ہیں اور اسے جھنڈیوں سے سجایا جاتا ہے۔ اس روز خوب

دعوتیں ہوتی ہیں اور چائے کی پارٹیوں میں کرسمس کیک کا ٹطف اٹھایا جاتا ہے۔ بڑے اپنے سے چھوٹوں کو کھلونے کتابیں، گڑیاں اور مٹھائیاں دیتے ہیں اور چھوٹے اپنے دوستوں کو اسی قسم کی چیزیں پیش کرتے ہیں۔

دوسرا میلہ اس وقت مناتے ہیں جب بہار کا موسم آتا ہے

یہ موسم وہاں مٹی میں ہوتا ہے۔ ہر طرف سبزہ اور پھیل نظر آتے ہیں۔ دھوپ نکلتی ہے اور ہر چیز خوبصورت معلوم ہوتی ہے ان دنوں لوگ باغوں میں نکل جاتے ہیں۔ اور دن بھر وہیں رہتے اور تفریح کرتے ہیں۔ انہی دنوں ایک میہ بھی لگتا ہے جس میں مرد، عورتیں اور بچے نہایت خوبصورت لباس پہن کر شامل ہوتے ہیں۔ دکانیں بھی سجائی جاتی ہیں اور لوگوں کے دل بہلانے کے لئے طرح طرح کے سامان موجود ہوتے ہیں میرا خیال ہے۔ مسٹر جیمز نے کہا۔ میرا وقت ہو چکا ہے۔

اس لئے میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

لوگوں نے خوب تالیاں بجائیں۔ اور اس کے بعد مسٹر جیمز

نے پنڈت رام سروپ کا نام لے کر کہا کہ اب وہ اپنے خیالات

آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ پنڈت رام سروپ اپنی کرسی

سے اٹھ کر سامنے آئے ان کی عمر اندازاً پندرہ برس ہوگی۔ یہ

ہندوستانی طالب علم تھے جو مل کی ایک دھوٹی، کھدکا فیض

اور سر پر گاندھی ٹوپی ان کا مختصر سا لباس تھا۔ سب سے پہلے

انہوں نے ہماری مجلس کا شکریہ ادا کیا کہ ہم نے انہیں اپنے جلسہ
 میں شریک ہونے کا موقع دیا تھا۔ پھر لوے۔ ہمارے ملک میں
 بچے کو پانچ چھ برس تک کچھ نہیں سکھایا جاتا۔ کیوں کہ والدین
 یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ابھی یہ بڑھنے کے قابل نہیں ہوا۔ اس کے
 بعد اسے پاٹ شالہ میں بھیجتے ہیں جہاں وہ کئی سال میں مہربانی
 کتابوں کے متعلق کچھ شدہ شدہ حاصل کرتا ہے۔ اکثر بچے
 پاٹ شالہ میں نہیں بھیجے جاتے بلکہ شروع ہی سے مدرسوں
 میں داخل کرا دیئے جاتے ہیں۔ جہاں وہ ہندی کی تعلیم حاصل
 کرتے ہیں۔ بچوں کو چھوٹی عمر ہی سے پوجا پاٹ۔ کفایت شعاری
 اور چھوت چھات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مال باب۔ اور بزرگوں
 کا بہت ادب کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بچے جب ان کے
 سامنے جاتے ہیں تو ان کے پاؤں چھوتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے
 سے ملاقات کے وقت جے ہند یا رام رام کہتے ہیں اور یہ
 بات ہم بہت چھوٹی عمر میں سیکھ لیتے ہیں۔ بچوں کے سکولوں
 میں جو بدبودار اور گلی مٹی کا گلاباں میں واقع ہوتے ہیں۔ صبح

سویرے بندے ماترم گایا جاتا ہے۔

چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد بچوں کو مائی سکولوں میں داخل کراتے ہیں۔ جہاں وہ صرف کتابی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور فارغ ہونے کے بعد دفتروں میں کام کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے۔

تجارت ہمارے باپ دادا کا پیشہ ہے۔ اس لئے کام کاج کرنے اور مفید کاموں میں روپیہ لگانے کا ذکر ہمارے گھروں میں اکثر ہوتا رہتا ہے۔ بچے بھی قریب بیٹھے سنتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ بڑے ہوتے ہیں تو کسی نہ کسی قسم کا کاروبار کرنا ہی پسند کرتے ہیں کھیل کر زین ہم بہت کم حصہ لیتے ہیں۔ کیوں کہ سکول سے آنے کے بعد دکان پر باپو جی کے کام کاج میں ہاتھ بٹانا پڑتا ہے اس طرح سے ہمیں دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو وقت اچھے کام میں لگتا ہے۔ دوسرے لین دین کرنا آ جاتا ہے۔ پھر بھی جب موقع ملتا ہے۔ تو ہم ہاکی، فٹ بال اور کرکٹ وغیرہ کھیل لیتے ہیں بلیک ارٹانا ہمارا دلچسپ کھیل ہے۔ لیکن اس کے لئے خاص

موسم مقرر ہے۔ اور اسی موسم میں ایک تہوار بھی منایا جاتا ہے۔ جس کا نام بسنت ہے۔ اس روز تمام لڑکے اور لڑکیاں زرد رنگ کا لباس پہنتے اور دن بھر پلنگ اڑاتے ہیں۔ دیوالی اور دسہ ہمارے دو اور مشہور قومی تہوار ہیں۔ دیوالی کے موقع پر گھروں میں مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے۔ موکانیں سجائی جاتی ہیں۔ اور مٹی کے کھلونے کثرت سے بکتے ہیں۔ دسہ کے روز ایک کھلے میدان میں مصنوعی طور پر لڑکا بناتے ہیں اور اس میں راون کا بت بکھڑا کرتے ہیں۔ شام کو سورج ڈوبنے سے کچھ پہلے اُگ لگا دی جاتی ہے۔ اور اس طرح سب کچھ جل کر بھسم ہو جاتا ہے۔ یہ میلہ اس واقعہ کی یاد میں ہے جب رام چندر جی نے راون پر فتح پائی تھی۔

یہ کہہ کر پڈت رام سرب صاحب اپنی جگہ واپس آ گئے۔ حائین نے تالیاں بجائیں اور خاموش ہو گئے۔ صدر صاحبہ نے کہا۔ اب جناب بشیر احمد صاحب آپ کو اپنے ملک کی تعلیم اور بچوں کے کچھ حالات سنائیں گے۔ آپ پاکستانی طالب علم ہیں۔

یٹن کر بشیر احمد صاحب حاضرین کے سامنے آئے۔ یہ بند
گلے کا کوٹ، شلوار اور لوٹ پہنے تھے۔ سر پر جناح کیپ تھی
اور کوٹ کے بائیں جیب میں ایک سفید رومال خوبصورت
دکھائی دے رہا تھا۔

انہوں نے کہا صدر صاحبہ! پیارے بھائیو! اور بہنو!
یہاں کے بچوں کا حال آپ کے سامنے ہے۔ لیکن ہماری مجلس
میں چونکہ دوسروں ملکوں سے آئے ہوئے طلباء بھی شامل ہیں اس
لئے میں مختصر طور پر کچھ نہ کچھ عرض کروں گا۔ ہمارے ہاں جب
بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کے کان میں اذان کہی جاتی ہے۔
یعنی اُسے پیدا کرنے والے کے نام سے باخبر کیا جاتا ہے۔
عزیزوں اور رشتہ داروں میں مٹھانی تقسیم کی جاتی ہے۔

پانچ یا چھ برس کے بعد اُسے قریب کی کسی مسجد میں قرآن پاک
پڑھنے کے لئے بٹھاتے ہیں۔ بعض بچے شروع ہی سے مدرسے
بھیجے جاتے ہیں۔ یہ سکول تنگ و تاریک گلیوں میں ہوتے ہیں
یہاں کمروں میں روشنی اور دھوپ مشکل سے پہنچتی ہے۔ یہاں یہ

بچے حروف کو طوطے کی طرح رٹتے ہیں۔ اور اسی طرح گنتی
 بھی یاد کرانی جاتی ہے۔ یہ زمانہ بچے کے لئے بہت سخت ہوتا
 ہے۔ کیوں کہ اسناد ان منہ سے منہ پھول کو ذرا ذرا اسی غلطی پر
 پھڑی سے سزا دیتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت
 سے بچے ڈر کے مارے مدرسے جانا بند کر دیتے ہیں اور پھر
 ہر طرح کی کوشش کے باوجود بھی نہیں جاتے۔

چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد لڑکا ہائی اسکول میں داخل
 ہوتا ہے۔ یہاں بھی اسے کسی دستکاری یا ہنر کی تعلیم نہیں ملتی۔
 البتہ وہ مختلف زبانوں مثلاً انگریزی، فارسی اور عربی سے کسی
 قدر واقف ہو جاتا ہے۔ یہ لڑکے اپنے محلے کی گلیوں میں
 گولیاں، گلی ڈنڈا اور کبڈی کھیل کر اپنا شوق پورا کر لیتے ہیں۔
 سکولوں میں ہاکی کرکٹ اور فٹ بال کھیلنے کا انتظام صرف چند
 لڑکوں کے لئے ہوتا ہے باقی اپنے دل بہلاوے کے سامان
 باہر پیدا کرتے ہیں۔ چھوٹی جماعتوں سے لے کر بڑی جماعتوں
 تک اسناد ہی تعلیم دیتے ہیں۔ سکول کے کمرے کسی درجے

میں بھی بچے ہوئے نہیں ہوتے۔ اس لئے سکولوں میں بچوں کا جی بہت کم لگتا ہے۔ اور وہ اکثر سکول جانے سے گھبراتے ہیں۔ پتنگ بازی کا رواج یہاں بھی ہے۔ اور بسنت کے روز خوب اڑائے جاتے ہیں۔ بیگن یہاں لڑکے اور لڑکیاں پیلے کپڑے نہیں پہنتے۔ لڑکیوں کے کھیل لڑکوں سے مختلف ہیں۔ وہ گڑیاں کھیلتی ہیں اور اپنا زیادہ وقت کھانا پکانے اور سینے پر وزن میں خرچ کرتی ہیں۔ ان کے سکول بھی ہم سے علیحدہ ہیں۔ اور بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک ہم الگ الگ سکولوں میں تعلیم پاتے ہیں۔

عید اور شبِ برات ہمارے اسلامی تہوار ہیں۔ عید کے روز بچے بوڑھے اور جوان کیا مرد اور کیا عورتیں سب نہایت خوبصورت لباس پہنتے ہیں۔ عزیزوں اور رشتہ داروں کے گھر سوئیاں بھیجتے ہیں۔ اور ان کے بچوں کو عیدی دیتے ہیں۔ جو نقدی کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہاں بچوں کو کھلونے یا کتابیں دینے کا رواج قطعاً نہیں۔ نہ ابھی اُس کی طرف کسی نے

توجہ دلائی ہے نہ لوگوں کو خود سوجھا ہے۔ شبِ برات کے روز نیچے آتش بازی چلاتے ہیں۔ مذہبی لحاظ سے یہ کام منع ہے۔ مگر ابھی اس کا رواج موجود ہے اور نیچے تو کیا بڑے بھی اس میں حصہ لیتے ہیں۔ اس روز شام کو ہر گھر میں حلوا پکایا جاتا ہے۔ اور امیر گھرانوں میں تو قسم قسم کے حلوے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہ کھانا بھی دوستوں اور عزیزوں کے گھر تحفہ کے طور پر بھیجا جاتا ہے۔

۱۴ اگست کا روز ہمارے لئے بڑی خوشی کا دن ہے کیونکہ اس روز جشنِ آزادی منایا جاتا ہے۔ بازاروں اور وکانوں کو بھنڈیوں سے سجاتے ہیں۔ جگہ جگہ جلسے کئے جاتے ہیں۔ حکومت غریبوں کو خیرات یا نانٹنی اور کپڑے تقسیم کرتی ہے۔ رات کو گلی کو چول اور بازاروں میں روشنی کی جاتی ہے مختصر یہ کہ اس مبارک موقع پر زیادہ سے زیادہ خوشی منائی جاتی ہے۔

بشیر احمد صاحب اپنی تقریر ختم کر کے سیٹج سے نیچے اترے

تو خوب تا لیاں بجیں۔ اس کے بعد بگیم صا حبہ اٹھیں اور فرمایا۔
 پیارے بچو اور بچیو۔ آپ کے جلسہ کی کامیابی اور رونق دیکھ
 کر دل بہت خوش ہوا۔ آپ کے اس میل جول سے دُنیا کے
 ملکوں میں اتفاق اور محبت کا پیدا ہونا یقینی ہے۔ مجھے اُمید
 ہے کہ ہمارے ملک کی حکومت بچوں کے معاملات میں بہت
 جلد زیادہ دلچسپی لے گی اور وہ دن دُور نہیں جب ہمارے بچے
 بھی صاف ستھرے سکولوں میں تعلیم پائیں گے۔ اور ان کے
 کھیلنے کے لئے جگہ جگہ کھلے سرسبز میدان بنائے جائیں گے۔
 آخر میں میں رُعا کرتی ہوں کہ آپ سب دُنیا میں خوب پھیلیں
 پھولیں اور دُنیا بھر کے لئے امن کا باعث ہوں۔

اس تقریر کے بعد میں نے سیٹج پر کھڑے ہو کر بگیم صا حبہ
 غیر ملکی میہمانوں اور تمام بچوں کا شکریہ ادا کیا اور جلسہ برخاست ہوا

پبلشرز : ایم اکرام اللہ ۵۵ بیٹن روڈ لاہور

مطبوعہ : امرتالیکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور